دینی کثرتیّت، ایک تنقیدی جائزہ

سید علی جواد ہمدانی

دینی کثرتیت کی بحث کی اہمیت

"دینی کثرتیّت" (Religious Pluralism) (1)، مسیحی الٰہیات کا ایک کلامی نظریہ ہے جس کی رو سے تمام ادیان معتبر، حق اور نجات کا باعث ہیں۔اس نظریے کے مطابق، حقیقت کسی خاص دین یا مذہب کا خاصہ نہیں، بلکہ ہر دین ایک حد تک حقیقت سے بہرہ مند ہے اور حق (The Reality) تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ یوں دینی کثرتیت، مسیحی علم کلام کا ایک ایسا نظریہ ہے جو انسانی نجات کو تمام ادیان کی حقانیت میں تلاش کرتا ہے اور تمام ادیان کو سچا مانتے ہوئے انہیں حق تک پہنچنے کے مختلف راستے تصور کرتا ہے۔

اس نظریے کا بغور جائزہ لینے کے لئے اس کے تاریخی پس منظر پر مختصر نظر ڈالنے اور اس کی پیدائش میں کارفرما اسباب اور عوامل کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔دراصل، "دینی کثرتیّت" کا موضوع دراصل، عہد وسطیٰ کے دینداروں کے عقائد کی تفتیش (Inquisition) کے سلسلے میں ڈھائے جانے والے مظالم پر سامنے آنے والے ردّ عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس نظریے کا شمار اُن نظریات و عقائد میں ہوتا ہے جو یورپ میں عہد وسطیٰ کی منحرف مسیحیّت کے دہشت گردانہ کردار کا ردعمل ہیں۔ مسیحی چرچ نے اس عہد میں لوگوں کے اعتقادات کی تفتیش کرکے مخالفین پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور کئی انسانوں کو زندہ جلایا ۔اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا نشاۃ ثانیہ میں عیسائیت کے خلاف شدید ردّ عمل ظاہر سامنے آیا اور عام لوگوں کے ذہن میں دین اور دینداری سے شدید نفرت اور دوری ایجاد ہوئی۔یوں یورپ میں انسان پرستی، مادیّت پرستی، تجریّت اور دینی کثرتیت اور سیکولرازم جیسے اعتقادات اور نظریات کا آغاز ہوا۔اس ردّ عمل کی بدولت دین کو زندگی کے تمام شعبوں سے نکال باہر کرنے کے بعد محض ایک نمائشی کردار تک محدود کر دیا گیا۔

جو امر اس موضوع پر بحث کی اہمیت کو بہت بڑی حد تک بڑھا دیتا ہے وہ یہ ہے کہ آج عالمِ مشرق میں عہد وسطیٰ کی عیسائیت کی تاریخ دہرائی جارہی ہے۔ پھر ابلیس اپنا وہی پینترا اسلامی شدت پسندی (القاعدہ، طالبان اور آخری کردار داعش) کے نام پر دین مبین اسلام کے خلاف آزمانے کے درپے ہے۔اس میں شک نہیں ہے کہ آج ابلیسی طاقتیں، اسلام کے خلاف وہی حربہ آزمارہی ہیں جو انہوں نے عیسائیت کے خلاف اپنایا۔آیا طالبان اور داعش جیسے دہشت گرد تکفیری گروہ جن کا حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایک بار پھر اسلام کے نام پر انسانیت سوز مظالم کی تاریخ دہرا کر سلیم الفطرت عام انسانوں کو اسلام اور اسلامی اقدار سے متنفر نہیں کر رہے؟! کیا وجہ ہے آج بعض مسلمان اپنے آپ کو سیکولر کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں؟ ہمیں یقین ہے کہ اس وقت مشرق وسطیٰ بلکہ پورے عالم اسلام میں مسلمانوں کا کافر قرار دینے والے گروہ یہودی استعماری ایجنڈے پر چلتے ہوئے عالم اسلام میں وہی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں جو عہد وسطیٰ میں کلیسا پر حاکم تھی۔

ان کا ہدف یہ ہے کہ جس طرح کلیسا اپنی موت خود مر گیا اور انسان کی عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا، اسی طرح اسلام کو بھی انسانوں کی عملی زندگی اور سیاست کے میدان سے بے دخل کر دیا جائے۔اور ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب عالم اسلام میں وہی فضا ایجاد کر دی جائے جو عہد وسطیٰ میں کلیسا نے یورپ میں ایجاد کر رکھی تھی۔ اگر خدانخواستہ یہاں وہی فضا حاکم ہو گئی تو اس کے بعد عالم اسلام میں بھی "دینی کثرتیت" جیسے باطل نظریات کو ہوا دے کر دین اسلام کی حقانیت کو مسخ کرنا آسان ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں یورپ میں پادری سے عہد وسطیٰ کے کلیسا کے مظالم پر عذر خواہی کروائی جارہی ہے، وہاں پوری دنیا سے کرائے کے سپاہی اکٹھے کرکے داعش جیسے دہشت گرد گروہوں کی فوج میں شامل کیے جارہے ہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ابلیسی اور طاغوتی طاقتوں کے اس کام کو ان کے تیار کردہ کئی نام نہاد مسلمان حکمرانوں اور ہرکاروں نے مزید آسان کر دیا ہے اور وہ پس پردہ القاعدہ، طالبان اور داعش جیسے دہشت گرد گروہوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

یقیناً یہ ایک بہت بڑی ابلیسی اور استعماری سازش ہے جس کا مقابلہ کرنا ہر دردمند اور باشعور مسلمان کا فریضہ ہے۔ لہٰذا جہاں چند احمق و نادان کلمہ گو تکفیری گروہوں کا ساتھ دے رہے ہیں، وہاں تمام مسالک کے علماء اور دانشوروں کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں حقیقی اسلام کی روح کو عام کریں اور اسلام کا پیغام انسانیت، پیغام فلاح و نجات اور پیغام امن و صلح عام کریں تاکہ دہشت گرد، منحرف مسلمانوں اور ان کے آقاؤں کے ہتھکنڈے سے آنے والی نسلوں کو

بچایا جاسکے۔ ہمیں یقین ہے کہ ابلیسی طاقتیں اسلام کے خلاف کبھی وہ کامیابی حاصل نہیں کر پائیں گی جو انہیں عیسائیت کے خلاف حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ عیسائیت منحرف ہونے کے ساتھ ساتھ قابل تنسیخ بھی تھی اور اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی اس کی معینہ مدت ختم ہو چکی تھی۔ لیکن اسلام ایک ناقابل تنسیخ دین ہے۔ اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود خداوند ذوالجلال نے لی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (2)

یعنی: "بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

بہر صورت، اس مقالہ میں اگرچہ ایک دقیق فلسفی، کلامی بحث پیش کی جارہی ہے۔ جہاں یہ بحث فلسفی، کلامی منظر سے ایک دقیق اور اساسی بحث ہے، وہاں یہ بحث عالم اسلام کے دانشوروں کو دین اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش سے بھی روشناس کرواتی ہے۔

دینی کثرتیّت کا تاریخی پس منظر

دینی کثرتیّت کی بحث کو سمجھنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے انسانی نجات کے بارے میں یہودیّت اور عیسائیّت کے نظریات کو سمجھنا ہوگا۔ دراصل، رائج یہودیت اور عیسائیت کا نظریہ بہت "تنگ نظرانہ" (Exclusivist) ہے۔ روایتی طور پر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ صرف وہی لوگ جنت میں جائیں گے اور نجات پائیں گے جو مسیحیت کی بنیادی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہوں گے۔ انسان کی نجات صرف حضرت عیسیٰ ؑ کی الوہیت اور ربوبیت، ان کے خدا کا بیٹا ہونے اور انسانیت کے ازلی کفارے کی خاطر ان کی موت پر ایمان رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہودی بھی عیسائیوں جیسا شدت پسندانہ اور تنگ نظرانہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نجات اور ہدایت کے سلسلے میں ان کے دعوؤں کی اس طرح وضاحت فرماتا ہے:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ... وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ... (3)

ترجمہ: "انہوں (یہودیوں) نے کہا کہ جنّت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا. یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم سچّے ہو تو اپنی دلیل لے آؤ...اور یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی بنیاد نہیں..."

ان کا نظریہ اس قدر تنگ نظرانہ اور محدود ہے کہ چند افراد کے علاوہ کوئی بھی نجات حاصل نہ کر پائے گا اور جنت میں داخل ہونے سے روک دیئے جائیں گے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ سمیت تمام عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حتی وہ افراد جو حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلے زندگی گزار چکے ہیں یا وہ جو ان کے ہم عصر تھے یا ان کے بعد دنیا میں آئے لیکن ان تک عیسائیت کا پیغام نہ پہنچا ہو، ان میں سے کوئی بھی نجات نہ پائے گا۔ اس طرح مسیحی علم کلام میں انسانی نجات کے نظریہ کی بنیاد پر صرف وہی لوگ نجات پائیں گے اور غضب الہی اور جہنم سے چھٹکارہ حاصل کر پائیں گے جو حضرت عیسیٰ ؑ کی الوہیت اور ان کی ازلی کفارے کی خاطر موت پر ایمان رکھتے ہوں۔ عیسائی عقیدے کے مطابق تمام انسان گناہ گار ہیں اور حضرت آدم ؑ کے اس گناہ میں شریک ہیں جس کی وجہ سے وہ جنت سے نکالے گئے تھے۔ اس گناہ کا بوجھ ہمیشہ انسانوں کے کندھوں پر رہا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ ؑ جو خداوند کے بیٹے اور خدا کا جسمانی صورت میں ظہور ہیں، صلیب پر لٹکائے گئے۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی الوہیت اور ان کی ازلی کفارے کی خاطر موت پر ایمان انسان کا خداوند کی بخشش اور مغفرت کے شامل حال ہونے اور نجات حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ آپس کے نظریاتی اختلاف کے باوجود اس نکتے پر متفق ہیں اور ایمان کو کامیابی اور نجات کی کنجی شمار کرتے ہیں۔ یوں جو بھی اس نظریے پر ایمان نہ لائے، نجات حاصل نہ کر پائے گا، چاہے وہ حضرت عیسیٰ ؑ کے زمانے سے پہلے رہا ہو یا بعد میں۔ حتی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسی علیہ السلام جو عیسائی مذہب کے اولیاء شمار ہوتے ہیں اور عیسائی ان کے اقوال معتبر اور حجت مانتے ہیں، بہشت میں نہ جا سکیں گے، بلکہ بہشت اور جہنم کے درمیان "لیمبو" نامی ایک جگہ، جہاں کسی قسم کا ثواب اور عذاب نہ ہوگا، رہیں گے۔ وہ اسی جگہ رہیں گے یہاں تک کہ آخر کار قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ؑ انہیں رہائی دلا کر جنت میں لے جائیں گے۔ یہ عقیدہ اس قدر غیر معقول اور شدت پسندانہ تھا کہ بعض ہم عصر عیسائی متکلمین اس کے مقابلے میں ردّ عمل ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لہٰذا اُن کی طرف سے طرح طرح کے نظریات سامنے آئے:

ا۔ وسیع النظری ردّ عمل ۲۔ دینی کثرتیّت

کیتھولک متکلمین میں سے کارل رہنر (Karl Rahner, SJ 1904 –1984) نے انسانی نجات کے بارے میں تنگ نظرانہ نظریے کے مقابلے میں "وسیع النظر نظریہ" (Inclusivist) پیش کیا۔ اس نظریہ کے پیروکاروں نے غیر صالح عیسائیوں پر بھی بہشت کے دروازے کھول ڈالے اور انہیں بھی کامیاب اور اہل نجات ٹھہرایا۔ ان کے مطابق ان نیک غیر مسیحیوں کو جن کا اخلاق اور کردار مسیحی قوانین کے مطابق ہو عیسائی سمجھا جاسکتا ہے۔ رہنر نے انہیں "بے نام عیسائی" کا نام دیا جو اعزازی مسیحی شمار ہوتے ہیں۔

جان ہک (John Hick) اور ویلفرڈ اسمتھ (W. Smith) نے اس وسیع النظری پر اکتفانہ کیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ تنگ نظروں کی طرح وسیع النظر بھی اس بات پر متفق تھے کہ کامیابی اور نجات کی صرف ایک ہی راہ یعنی مسیحیّت ہے۔ لیکن ہک اور اسمتھ اس کے قائل تھے کہ ادیان میں سے ہر ایک میں حقانیّت کا کچھ نہ کچھ عنصر موجود ہے اور ہر دین حق تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ لہٰذا ہر انسان، کوئی بھی دین اور مسلک اپنا کر جنت میں جا سکتا ہے۔ یوں انہوں نے دینی کثرتیّت اور تمام مذاہب کے برحق ہونے کے نظریے کو مسیحی علم کلام میں پیش کیا اور تنگ نظروں کے مقابلے میں بڑے سخت ردّ عمل کا اظہار کیا۔
یہاں جان ہک اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے مولانا رومی کی مثنوی میں موجود اُس تمثیل کا سہارا لیتا ہے جس میں مولانا نے کہا ہے:

پیل اندر خانه تاریک بود عرضه را آورده بودنش هنود

چشم حس همچون کف دستست و بس نیست کف را برهمه او دست رس

یعنی: "ہاتھی ایک اندھیری جگہ پر تھا۔ ہندوستان والے اسے نمائش کے لئے لائے تھے: بے شمار لوگ اسے دیکھنے آئے۔ اس تاریکی میں کسی کو کچھ سجھائی نہ دیا۔ اس تاریکی میں دیکھنا ممکن نہ تھا۔ بس ہاتھ سے چھو کر ہاتھی کا تصور کرنا پڑا۔ جس کا ہاتھ ہاتھی کی سونڈھ سے ٹکرایا وہ بولا: ہاتھی ایک پرنالے کی مانند ہے۔ جس کا ہاتھ ہاتھی کے کان سے ٹکرایا، وہ بولا: ہاتھی پنکھے کی مانند ہے۔ تخیلات کے اختلاف کی وجہ سے اقوال مختلف ہوئے۔ ایک نے "دال" کا لقب دیا، دوسرے نے "الف" کہا۔ اگر ان کے ہاتھ میں کوئی شمع ہوتی تو اختلافات کی نذر نہ ہوتے۔ حس تو صرف ہتھیلی کی مانند ہے، جسے تمام حقیقت تک رسائی حاصل نہیں۔" (4)
لہٰذا جان ہک بھی اسی تمثیل کی روشنی میں دعوی کرتا ہے کہ چند نابینا افراد جنہوں نے کبھی ہاتھی نہ دیکھا تھا، ان میں سے ایک جو ہاتھی کی ٹانگوں کو چھوتا ہے کہتا ہے ہاتھی ستون مانند ہے۔ جو ہاتھی کی سونڈھ کو لمس کرتا ہے، وہ کہتا ہے: ہاتھی، اژدہا جیسا ہے وغیرہ۔ سبھی ٹھیک کہہ رہے تھے، لیکن ہر ایک حقیقت کو ایک خاص زاویے سے دیکھ رہا تھا اور اسے اپنی نظر کے مطابق ناقص مثالوں کی صورت میں بیان کر رہا تھا۔ بالکل اسی طرح ہم بھی ان نابینا افراد کی طرح حق کو جس طرح سے ہے، نہیں پہچان سکتے، بلکہ جیسے ہم پر ظاہر ہوتا ہے پہچانتے ہیں۔ لہٰذا ہماری ہر شناخت درست اور صادق ہے۔

دینی کثرتیّت کے بنیادی اصول

دینی کثرتیّت کے دفاع اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں جس دانشور نے سب سے زیادہ کردار ادا کیا وہ جان ہک ہے۔ ایک پروٹسٹنٹ فرقہ سے وابستہ اِس متکلم نے لبرل ازم سے متاثر ہو کر دینی کثرتیّت کو پیش کیا۔ اس کے نکتہ نگاہ میں دینی کثرتیّت کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. **ہر شخص ہر عقیدے کی بنیاد پر جنت جا سکتا ہے؛ اس شرط پر کہ کسی ایک دین کے ذریعے حق کی طرف توجہ کرے؛ کیونکہ ہر دین میں حقیقت کا کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہے۔**
2. **نجات سے مراد توجہ کو خود سے ہٹا کر حق کی طرف مبذول کرنا ہے۔**
3. **دین کا جوہر، دینی تجربہ اور حق سے متعلق شخصی احساس ہے۔ دوسرے الفاظ میں دین کا جوہر، حق کی طرف توجہ ہے؛ لہٰذا اعتقادات، ایمان، مذہبی اعمال اور عبادات دین میں ذیلی اور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔**
4. **چونکہ دین کا جوہر، دینی تجربہ اور شخصی احساس ہے، دینی ایمان کو معقول انداز میں پیش کرنے کے لیئے دینی تجربے سے مدد لینے کی ضرورت ہے نہ کہ عقل اور عقلی دلائل سے۔**
5. **برحق دین یا صراط مستقیم ایک خیالی امر ہے؛ تمام ادیان حق ہیں اور ازلی حقیقت تک راہنمائی کرتے ہیں۔ لہٰذا مسیحیت یا کسی بھی دین کی برتری کے لیئے عقلی استدلال مشکوک ہیں۔**

6. انجیل کی بعض تعلیمات اور کچھ اعتقادی مسائل رمزیہ ہیں۔ لہذا تجسم اور نظریہ نجات کی نئی تفسیر پیش کرنی چاہیے۔

7. لبرل ازم کے اخلاقی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تعصب چھوڑ کر دوسروں کو تحمل کرنا چاہیئے۔ لہذا ادیان کے متشدد احکام اوران کے پیروکاروں کے انتہا پسندانہ رویوں کو رد کرتے ہوئے شریعت کے نفاذ سے پرہیز کرنا چاہیے۔

8. دینی کثرتیت کے حامیوں کی مشکل

یہاں دینی کثرتیّت کے حامی خود کو ایک سخت مشکل سے روبرو پاتے ہیں اور وہ یہ کہ: کیونکر مختلف ادیان اور مکاتب کے حق ہونے کے بارے میں پیش کئے گئے تمام نظریات کو سچا مانا جاسکتا ہے، حالانکہ ان نظریت کی بڑی تعداد آپس میں تضاد رکھتی ہے اور سب ایک ساتھ صحیح نہیں ہو سکتے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو دو خداؤں کے قائل ہیں ان کی بات بھی درست ہو اور عین اسی وقت تثلیث کا عقیدہ بھی برحق ہو۔ نیز وہ لوگ بھی حق پر ہوں جو توحید اور خداوند یکتا ہونے کے معتقد ہیں؟ خلاصہ یہ کہ کیونکر متضاد عقائد اور متناقض نظریات کو ایک ساتھ صحیح قرار دیا جاسکتا ہے؟

ہِک نے اس علمیاتی یا معرفتی مشکل کے حل کے لئے کانٹ کے نظریہ علم سے مدد لیتے ہوئے "حقیقت" (*Noumenon*) (5) اور "ظہور" (*Phenomenon*) (6) کے درمیان فرق کو بنیاد بنایا۔ کانٹ کے نقطہ نظر کی رو سے اشیاء کی حقیقت اور اصل ماہیت ناقابل دسترس اور ناقابل شناخت ہے۔ لہٰذا ہر شخص حقیقت کو ویسا درک کرتا ہے جس طرح وہ اُس پر ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر مکتب کے پیرو، حق کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں جیسے وہ ان پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بظاہر متصادم اور متناقض تفسیریں، ایک ہی حقیقت کے مختلف بیان ہیں۔ ہر کوئی اپنے زاویہ نگاہ اور فہم کی بنیاد پر حق کو درک کرتا ہے۔ لہٰذا آپس کے تضاد اور تناقض کے باوجود سبھی درست ہیں۔

دینی کثرتیت کا تنقیدی جائزہ

1. دینی کثرتیّت کے نظریے کا لازمہ یا "ارتیابیّت" (*Scepticism*) یا "اضافیّت" (*Relativism*) ہے۔ کیونکہ اس کی رو سے حقیقت بذات خود ناقابل دسترسی ہے۔ علم وآگاہی ظہور اور نمود کے تابع ہے، نہ کہ واقعیّت اور حقیقت کے تابع۔ لہٰذا ہر مکتب برحق ہے اور وہ حق کی بالذات حقیقت کو نہیں پہچان سکتا بلکہ اس نے حق کو اس طرح پہچانا ہے جس طرح اس پر ظاہر ہوا ہے۔ یوں حق سے آگاہی کا راستہ انسان پر مسدود ہے۔ انسان علمی محدودیتوں اور مشکلات کی وجہ سے نہ تو حق کو پہچان سکتا ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ جان سکتا ہے۔

2. ہک نے کانٹ سے ماخوذہ، نومن اور فنومن کے فرق کی جس بنیاد پر ادیان کے تناقضات اور تضادات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، وہ بنیاد ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ انسان اپنے حصول علم کے ذرائع سے واقع اور حقیقت کو پہچان سکتا ہے۔ کیونکہ علم دو طرح کا ہے: ۱) حضوری علم، ۲) حصولی علم۔
حضوری علم میں، جہاں علم کا حصول ذہنی مفاہیم کے واسطے کے بغیر ہے، معلوم، عالم (مُدرِک) کے پاس حاضر ہوتا ہے۔ لہٰذا مُدرِک اس قسم کی آگاہی میں خود حقیقت اور واقع کو پالیتا ہے۔ بدقسمتی سے مغربی فلسفی مکاتب میں اس قسم کے علم سے غفلت برتی گئی ہے۔
جہاں تک حصولی علم کا تعلق ہے تو اس میں، قضیے، جو اس کی ایک قسم ہیں، دو بنیادی اقسام میں تقسیم ہوتے ہیں؛ بدیہی اور نظری۔ نظری قضیوں کا صدق اور حقیقت سے ان کی مطابقت، ان کے بدیہی قضیوں کی طرف پلٹائے جانے سے روشن ہو جاتی ہے، اور بدیہی قضیوں، جیسے وجدانیات، بدیہیات اولیہ اور منطق کے بدیہی قوانین، کا صدق ان کے حضوری علم، جس میں کوئی واسطہ حائل نہیں ہوتا، کی طرف پلٹانے سے واضح ہو جاتا ہے۔ پس ہم حقائق اور نومن کو ایسے نظری اور بدیہی قضیوں سے پہچانتے ہیں، نہ فنومن اور ظہور کے ذریعے۔ (7)

3. ہک کے لئے کانٹ کی فراہم کردہ بنیاد بذات خود ایک "خود متضاد" (*Self-contradictory*) نظریہ ہے۔ یہ نظریہ خود اپنی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ "حقیقت" اور "ظہور" میں فرق پایا جاتا ہے تو پس خود کانٹ پر جو کچھ اس نظریہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، وہ حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ پس کانٹ کا نظریہ حقیقی نہیں، بلکہ ایک ایسا امر ہے جو اس پر ظاہر ہوا ہے اور اس کا فنومن ہے۔ اس کے علاوہ، یہ بھی کہا جاسکتا ہے: اگر انسان پر

ہمیشہ نومن ہی ظہور کرتا ہے تو مسٹر کانٹ کو کیسے معلوم ہوا کہ کوئی حقیقت بھی پائی جاتی ہے اور حقیقت اور ظہور میں فرق پایا جاتا ہے؟ بالخصوص جب کانٹ کا دعوی یہ ہو کہ حقائق کو درک کرنے کا راستہ ہی مسدود ہے؟

4. اوپر بیان شدہ دینی کثرتیت کی بنیاد پر تمام ادیان اور مکاتب حتی کمیونزم جیسے مکاتب فکر بھی برحق ہیں اور ازلی حقیقت تک پہنچاتے ہیں۔ دین برحق یا صراط مستقیم موہوم امر سے زیادہ کچھ نہیں اور کسی مکتب کو کسی دوسرے مکتب پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ اس بات کا لازمہ یہ ہے کہ ہر موہوم یا خرافاتی امر، حتی شیطان پرستی، انسان پرستی (8) اور بت پرستی، حق کی طرف جانے کا راستہ اور خود محوری سے نکل کر خدا محوری تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

جان ہک کی بے سود تگ ودَو

جان ہک نے مذکورہ مشکل کے حل کے لئے تین معیار پیش کیے ہیں:

1) **تجربی معیار**: تجربی معیار سے مراد یہ ہے کہ ایک دینی معاشرہ کسی مشترکہ دینی تجربے کی تائید کرے اور ایک مشترکہ دینی تجربے کا حامل ہو۔ یوں یہ معیار، دین کو دینی تجربے کی حد تک گرا کر دین کی حقیقت اور جوہر کو صرف ذاتی تجربے کے طور پر پیش کرتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معیار سے استدلال اور حقانیت کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر دین سے مراد ذاتی اور باطنی احساس ہو تو صادق کو کاذب اور حق کو باطل سے پہچاننے کا کوئی راستہ ہی باقی نہ بچے گا۔ اسی طرح ایک دین کو دوسرے دین پر ترجیح بھی نہ دی جاسکے گی۔ مزید برآں، اگر معتبر ہونے کا معیار ذاتی تجربہ اور باطنی احساس ہو تو بت پرستی، شیطان پرستی اور انسان پرستی جیسے خرافاتی اور موہوم مکاتب جو ایسے ہی احساسات کی بنیاد پر استوار ہیں، انہیں مسترد کرنے کی کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی۔

2) **اندرونی انسجام کا معیار**: اگر اندرونی انسجام کے معیار کو معتبر فرض کر لیا جائے تو اس کے ذریعے ایک عقیدے کا صرف کسی خاص مذہبی نظام کے اندر رہ کر ہی مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور یہ پرکھا جاسکتا ہے کہ وہ عقیدہ اس خاص مذہبی نظام کے ساتھ سازگار ہے یا نہیں؟ لیکن یہ جاننے کے لئے کہ کوئی مکتب یا مذہب موہوم یا خرافات پر مبنی ہے اور حق تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا، مذکورہ معیار مفید واقع نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ یہ معیار کئی دوسری اساسی مشکلات کا شکار ہے جن کے بیان کی یہاں گنجایش نہیں۔

3) **اخلاقی معیار**: جان ہک کی گفتگو سے ایک اور معیار بھی ہاتھ آتا ہے جو اخلاقی معیار ہے۔ لیکن اس معیار کے بارے میں بھی یہ سوال اٹھتا ہے کہ کسوٹی کے طور پر کس کا اخلاقی معیار انتخاب کیا جائے؟ کیا آپ کے اخلاقی معیار کو بنیاد بنایا جائے؟ اگر ہاں، تو سوال یہ ہے کہ آپ کا اخلاقی معیار کس دلیل کی بنا پر معتبر ہے اور دوسرے آپ کے اخلاقی معیار کے تابع کیوں ہوں؟ اگر ہر مکتب کا اخلاقی معیار صرف اسی مکتب کے پیروکاروں کے لیے معتبر ہو تو کس طرح اس کے ذریعے دوسرے مکاتب کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

دینی کثرتیّت پر چند دیگر اشکال

1. ایمان پر حد سے زیادہ تاکید کے سبب دین کے دوسرے پہلو یعنی عمل اور شریعت سے غفلت برتی گئی ہے۔ جس طرح دین میں اعتقادات اور ان پر ایمان سے چشم پوشی ممکن نہیں، اسی طرح عمل اور شریعت کے پہلو سے بھی بے توجہی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عمل بھی دین کے تحقق میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ دین تین حصوں اعتقادات، احکام اور اخلاق پر مشتمل ہے۔ اخلاق اور احکام کا تعلق دین کے عملی پہلو سے ہے۔ اعتقادی پہلو میں بھی صرف باطنی تجربے، جو ذاتی احساس ہے، پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا بلکہ اپنے اور اپنے آغاز سے متعلق افکار کی نوعیت کو کسی معتبر معیار کے ذریعے پرکھنا اور ان کا جائزہ لینا چاہیے۔ دینی اعتقادات کے دائرے میں عقل اور عقلی استدلال، عقائد کو ثابت اور خرافات کی نفی کرنے میں اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں۔ بہرحال یہ نقطہ نظر ادیان کے درمیان تضاد کو دور کرنے میں ان کے بنیادی حصوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔
2. یہ نقطہ نظر ادیان کے درمیان تضاد کو دور کرنے میں نہ صرف ان کے عملی اور اخلاقی احکام کے ایک بڑے حصے سے چشم پوشی کرتا ہے بلکہ ان کے اعتقادی اور ایمانی پہلو میں بھی خاص اعتقادات کو چن کر باقی کو نظر انداز یا مسترد کر دیتا ہے، جبکہ اعتقادات کا ایک بہت بڑا حصہ دین کے تحقق میں

بنیادی حیثیت کا حامل ہے اور انہیں نظر انداز کرنا، اس دین کو ترک کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ جیسے تحریف شدہ مسیحیّت میں تثلیث اور تجسم کا عقیدہ یا نجات کا عقیدہ اور یہ عقیدہ کہ انسان خدا کے بیٹے، حضرت عیسیٰ ؑ کی کفارے کی خاطر موت کی وجہ سے نجات پائیں گے۔ اگرچہ جان ہک خدا کے تجسم سے متعلق روایتی نکتہ نگاہ کی نفی کرتے ہوئے تجلی سے مشابہ نظر اختیار کرتا ہے، تاہم روایتی مسیحی اس تاویل کو نہ صرف قبول نہیں کرتے بلکہ ان تعلیمات پر ایمان کو مسیحیّت کی بنیاد مانتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق حتی حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ بھی جنت میں داخل نہ ہو پائیں گے کیونکہ زمانے کی دوری کی وجہ سے وہ نجات کے عقیدے اور حضرت عیسیٰ ؑ کی ربوبیت اور ان کی کفارے کی خاطر موت پر ایمان نہیں رکھتے تھے (9)۔

3. جہاں تک مولانا رومی کی تمثیل کا تعلق ہے تو اس حوالے سے یہ کہنا چاہیے کہ اس تمثیل میں بیان شدہ کسی ایک بھی نابینا شخص کی بات صحیح نہ تھی۔ کیونکہ جسے وہ لمس کر رہے تھے ہاتھی کی ٹانگ، کان اور اس کی سونڈھ تھی، نہ کہ ستون، دستی پنکھا یا اژدہا۔ یہ دعوی کہ ان میں سے ہر ایک نے ہاتھی کو ایک خاص زاویے سے یوں درک کیا تھا، ایک غلط دعوی ہے۔ جو کچھ انہوں نے لمس کیا تھا اس کے بارے میں کسی کی بات بھی ہاتھی کو بیان نہیں کر رہی تھی بلکہ کسی دوسری شے جیسے اژدہا، ستون یا پنکھے کو بیان کر رہی تھی۔ لہٰذا ان سب کی باتیں غلط تھیں۔ انہوں نے واقعاً ہاتھی کی سونڈھ کو لمس کیا تھا نہ اژدہا کو، اس کی ٹانگوں کو لمس کیا تھا نہ ستون کو ...

4. دراصل، مولانا رومی ہاتھی کی تمثیل سے جو بات سمجھانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان، حق کو پانے کے لئے آگاہی کے عام وسائل سے بالاتر کسی وسیلے کا محتاج ہے۔ ایسے ہی جیسے قوت لامسہ بینائی کا عمل انجام نہیں دیتی، اسی طرح عام بشری وسائل اور راستوں کے ذریعے حق تعالیٰ تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ حق کی پہچان کے لئے نور الٰہی کا سہارا لے۔ اس علم کا حصول آگاہی کے رائج طریقوں کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل ابیات میں اس مطلب کی وضاحت پیش کی ہے:

در کف هر کس اگر شمعی بدی　　　اختلاف از گفتشان بیرون شدی

...

چشم دریا دیگر ست و کف دگر　　　کف بهل وز دیدهٔ دریا نگر

یعنی: "اگر اندھیرے میں ہاتھی کا مشاہدہ کرنے والے ہر شخص کے ہاتھ میں ایک قندیل تھمادی جاتی تو ہرگز ہاتھی کی تعریف میں وہ اختلاف نہ کرتے۔ ہماری ظاہر کی آنکھ کا حال، لامسہ سے مختلف نہیں ہے۔ اور ظاہر بین آنکھ کہاں تمام حقیقت کا ادراک کر سکتی ہے! بہتے سمندر کی جھاگ ایک چیز ہے۔ لہٰذا اگر سمندر کی حقیقت تو دیکھنا ہے تو اس کے لئے ایک اور نگاہ (چشم باطن) اپنے اندر پیدا کر!" (10)

اشعار کی بیان شدہ تشریح اور تعبیر مذکورہ بالا میں واضح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعبیر جان ہک کے دعوے سے بہت مختلف ہے۔

نتیجہ گیری

"دینی کثرتیت" کا نظریہ، ایک نا قابل قبول نظریہ ہے۔ اس نظریے کا پس منظر عہد وسطی میں کلیسا کے مظالم، دہشت گردی اور غیر انسانی رویہ ہیں۔ یہ نظریہ، دین کی حقیقت کو ذاتی ایمان اور احساس میں منحصر سمجھتا ہے۔ اور ان بنیادی عقائد، اخلاق، عبادات، رسوم اور اخلاقی و شرعی احکام کو نظر انداز کرتا ہے جو دین کا جزو لازم قرار پاتے ہیں۔ یہ ادیان کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے اور خود یہ نظریہ "ارتیابیت" اور "اضافیت" پر ختم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے اپنے معاشرے میں اس طرح کے نظریات کے پر چار کو لمحۂ فکریہ سمجھنا چاہیے اور ان کا علمی جواب آمادہ رکھنا چاہیے۔ آخر میں ہم اپنے قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کروائیں گے کہ اس موضوع پر مزید معلومات کے حصول کے لئے اور اس بحث کو صحیح طور سے ذہن نشین کرنے کے لئے درج ذیل امور پر تحقیق جاری رکھیں:

۱۔ دینی کثرتیت کی پیدائش میں اہم ترین عوامل، دینی اور سیاسی لبرل ازم اور دینی کثرتیت کے حامیوں کا ان سے متاثر ہونا ہے۔ دینی اور سیاسی لبرل ازم جیسے نظریات کا جائزہ لیں اور ان کی خصوصیات کا مطالعہ کریں۔

۲۔ نجات کے نظریے پر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کا اختلاف نظر کیا ہے؟

۳۔ جان ہک نے دینی کثرتیت کی پیش کردہ تعبیر میں تجدید نظر کی ہے۔ ان کی جدید نگاہ کا نقادانہ جائزہ لیں۔

۴۔ دینی کثرتیت کا منشا مسیحی علم کلام ہے۔ اس نظریے کا تاریخی پس منظر کیا مشرقی سرزمین کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں بھی پایا جاتا ہے؟

۵۔ یہ دیکھا جائے کہ دینی کثرتیت کے مبانی جیسے دین کو ذاتی احساس اور مذہبی تجربے تک گرا دینا، دین کی زبان کو علامتی قرار دینا اور عقل کو غیر مفید سمجھنا کس قدر غیر منطقی اور باطل نظریات ہیں۔

حوالہ جات

---

1 ۔ کثرتیت (Pluralism) کا لغوی معنی کثرت کی طرف رجحان ہے اور اصطلاح کے لحاظ سے مغربی ممالک میں اس کے سیاست، فلسفہ اخلاق، فلسفہ دین، ہنر وغیرہ میں مختلف معانی ہیں۔

2 ۔ الحجر: ۹

3 ۔ سورہ بقرہ، آیات ۱۱۱، ۱۱۳۔

4 ۔ جلال الدین محمد بلخی، مثنوی معنوی، دفتر سوم، ۱۲۶۹-۷۹۔

5 -Noumenon :(in Kantian philosophy) a thing as it is in itself, as distinct from a thing as it is knowable by the senses through phenomenal attributes.

6۔*Phenomenon:* the object of a person's perception; what the senses or the mind notice.

7۔ اس بحث کی تفصیل جاننے کے لئے دیکھیے:

An Introduction to Epistemology and Foundations of Religious Knowledge by Mohammad Hussain Zade.

8 ۔ فرانسیسی مفکر اگسٹ کامٹ نے "انسانیت" کے نام سے ایک مذہب کی بنیاد رکھی جس کا معبود "انسان" تھا اور وہ خود اس کا پیغمبر تھا۔ اس نے انسان کی عبادت کے لئے عبادت گاہیں بھی بنوائیں۔

9 ۔ اسی کے ساتھ، مسیحی اس بات کے بھی معتقد ہیں کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ انہیں لیمبو سے نجات دلائیں گے۔

10 ۔ جلال الدین بلخی، مثنوی معنوی، دفتر سوم، بیت ۱۲۸۱-۱۲۷۸

مزید رابطہ کے لئے:

1. ہیک، جان، فلسفہ دین، ترجمہ بھرام راد، تہران، ھدی، ۱۹۹۴
2. ہیک، جان، مباحث پلورالیسم دینی، ترجمہ عبدالرحیم گواھی، تہران، تبیان، ۱۹۹۹
3. ناس، جان، تاریخ جامع ادیان، ترجمہ علی اصغر حکمت، تہران، سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی، ۱۹۹۱
4. لگنھاوسن، محمد، اسلام و کثرت گرایی دینی، ترجمہ نرجس جواندل، قم، طہ، ۲۰۰۰
5. حسینی زادہ، محمد، درآمدی بر معرفت شناسی و مبانی معرفت دینی، انتشارات موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینیؒ، قم، ۲۰۱۳

*****